مقالات

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی
(قسط ۲ آخری)

امام ابنِ تیمیہؒ اور متصوّفین

اعمال وافعالِ صوفیہ:

مذکورہ نظریات کے علاوہ صوفیہ کے کچھ افعال ایسے ہیں، جو خالصتاً شرک و بدعت سے متعلق ہیں ـــــ مثلاً :

مزارات کی تعمیر، مزارات پر چلّہ کشی، کشفِ قبور کے وظیفے اور طریقے، مزارات پر نذر و نیاز چڑھانا اور اصحاب القبور کو حاجت روائی کے لیے پکارنا، مزارات پر مناسکِ حج کے سے افعال کی ادائیگی۔

اسی طرح غیر شرعی ریاضتیں اور ان کے مکروہ طریقے ہیں، جیسے دھوپ میں کھڑے رہنا، گلیوں اور بازاروں میں گھومنا پھرنا، جنگلوں میں سال ہا سال مارے مارے پھرنا، ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر یا کنوئیں میں الٹے لٹک کر دم کشی کی مشق کرنا، کیچڑ بدن پر مل لینا یا غلیظ اور مکروہ شکل بنائے رکھنا، اپنے لیے کوئی مخصوص لباس مقرر کر لینا وغیرہ ـــــ ایسے سب طریقے مکروہ اور غیر شرعی ہیں۔

کرامات اور شعبدہ بازیاں بھی اسی قبیل سے ہیں ـــــ اگرچہ صوفیہ کا سنجیدہ طبقہ کشف و کرامات کو ولایت کا معیار قرار نہیں دیتا، مگر یہ بات صرف زبانی دعوے کی حد تک درست قرار دی جا سکتی ہے۔ عملاً ہر دور میں اور ہر طبقہ میں کرامات ہی کے پیمانہ سے کسی کی ولایت کو ماپا جاتا رہا ہے۔ ان کرامات کی بھی لاتعداد قسمیں ہیں۔ مثلاً دیدارِ الٰہی یا خدا کا مشاہدہ کرنا، قبر پر مراقبہ کرنے پر قبر کا پھٹ جانا اور صاحبِ قبر کا قبر سے برآمد ہو کر غیب کی باتیں بتلانا، اپنے پیر صاحب کے نام کی دہائی دینے سے پیر صاحب کا آموجود ہونا اور بعض دفعہ حاجت روائی بھی کر دینا، ایک

مقام سے دوسرے مقام تک آن کی آن میں پہنچ جانا، اشیائے خوردنی کا یکدم حاضر کر دینا، دل کی بات بتا دینا، مُردوں کو زندہ کر دینا، آگ میں کود جانا اور آگ کا اثر نہ کرنا، غرض سینکڑوں قسم کی کرامات یا ایسے ہی شعبدے اس طبقہ صوفیہ کے تذکروں میں موجود ہیں، جن کے سامنے انبیائے کرام کے معجزات بھی ہیچ نظر آنے لگتے ہیں۔

وجد و سماع بھی اس طبقہ صوفیہ سے متعلق ہے، جسے ان فقیروں کی زبان میں حال کھیلنا کہتے ہیں۔ یعنی قوالی سننے پر بدمست ہو جانا اور عجیب و غریب حرکات کرنا۔ جب تک یہ لوگ بقائمی ہوش و حواس رہیں، ایسی حالت کو صحو کہتے ہیں۔ اور جب بدمست یا بے خود ہو جائیں، تو یہ حالت "سُکر" کہلاتی ہے۔ سُکر کی کیفیت یہ حضرات مصنوعی طریقوں سے خود پیدا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک سُکر کی حالت صحو سے بہتر ہوتی ہے۔ پھر اس سکر کی حالت کی آڑ لے کر عجیب عجیب قسم کے کفریہ کلمات زبان سے نکالتے رہتے ہیں۔ نیز اس سکر کے بہانے یہ لوگ اپنے آپ کو تکالیفِ شرعیہ کا مکلف نہیں سمجھتے۔

امام ابن تیمیہؒ کے دور میں اس طبقہ صوفیہ میں مندرجہ بالا تمام قسم کی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں، لہٰذا اس محاذ پر بھی آپ کو پوری تندہی اور جاں فشانی سے کام کرنا پڑا۔ اس سلسلہ میں آپ نے درج ذیل طریقے اختیار فرمائے :

۱۔ اپنی تقریروں اور خطابات میں ان لوگوں کے عقائد و نظریات اور اعمال و افعال پر کڑی تنقید کی اور انہیں شریعتِ مطہرہ کی رو سے باطل ثابت کیا۔

۲۔ نجی ملاقاتیں ــــ اس سلسلہ میں کبھی تو آپ ان لوگوں کو سمجھانے کے لیے جامع دمشق میں آ جاتے تھے، کبھی کسی پیر فقیر کو اپنے ہاں بلا کر سمجھاتے اور کبھی کسی کے پاس خود جا کر!

۳۔ بذریعہ خط و کتابت ــــ ان لوگوں کو آپ نے نجی طور پر خطوط لکھ کر بھی سمجھانے کی کوشش کی اور "الدّین النّصیحۃ" کے تقاضے پورے کیے

۴۔ بذریعہ تحریر و تصنیف ــــ صوفیہ پر تنقید کے سلسلہ میں آپ نے درج ذیل رسائل یا کتب تصنیف فرمائیں :

(۱) فی ابطال وحدۃ الوجود (۲) الفرقان بین اولیاء الرحمان و اولیاء الشیطان

(۳) کتاب التوسّل والوسیلۃ (۴) لباس الفتوۃ والخرقۃ عند الصّوفیہ (۵) الصّوفیہ والفقر

۵۔ آپ نے بعض دوسرے فرقوں کی طرح صوفیہ کے فرقہ رفاعیہ سے حکومتی سطح پر مناظرہ بھی

کیا، جو بعد میں ضبطِ تحریر میں بھی لایا گیا۔ اس رسالہ کا نام "مناظرہ ابنِ تیمیہؒ مع الرفاعیہ" ہے۔

صوفیہ پر تنقید

اب ہم آپ کی کتابوں سے چند ایسے اقتباسات پیش کریں گے، جن سے معلوم ہوگا کہ آپ نے ان متصوفین کے عقائد و نظریات اور اعمال و افعال پر کس انداز سے گرفت کی تھی۔

۱۔ نظریہ حلول اور حسین بن منصور حلاج م ۳۰۹ھ :

حسین بن منصور حلاج کے متعلق آپ لکھتے ہیں :

"کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حلاج فنا میں ڈوب گیا۔ وہ باطنی حقیقت سے معذور تھا مگر ظاہری طور پر اس کا قتل واجب تھا۔ کچھ دوسرے ایسے لوگ بھی ہیں جو اسے شہید، فنا فی اللہ، موحد اور محقق سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ شریعت کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے۔"

پھر واضح الفاظ میں لکھتے ہیں کہ :

"حلاج اپنے کفر کی وجہ سے قتل کیا گیا۔ وہ قرآن کا معارضہ کرتا تھا۔ جنید، عمرو بن عثمان مکی اور امیر یعقوب جیسے جلیل القدر مشائخ نے حلاج کی مذمت کی ہے۔ اگر کوئی شخص حلاج سے متعلق حسنِ ظن رکھتا ہے تو اس کی وجہ محض یہ ہے کہ وہ اصل حالات سے آگاہ نہیں۔"

(مجموعہ رسائل الکبریٰ جلد ۲ ص ۹۷ تا ۹۹)

قارئینِ کرام، کیا آپ جانتے ہیں کہ حلاج کے متعلق حسنِ ظن رکھنے والے یہ حضرات کون ہیں؟ — یہ ہیں :

(۱) علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش (م ۴۶۵ھ) (۲) مولانا جلال الدین رومی، صاحبِ مثنوی (م ۶۷۲ھ) (۳) پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) (۴) نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ)

ان سب بزرگوں نے حلاج کی پوری پوری حمایت کی ہے اور اس کی طرف سے پورا دفاع

بھی کیا ہے۔

۲۔ نظریہ وحدت الوجود :

اس نظریہ کے متعلق امام صاحب لکھتے ہیں کہ :

"شیخ کمال الدین ابن المراغی کو ابتدا میں تلمسانی (عفیف الدّین تلمسانی، شیخ اکبر کا شاگردِ خاص) سے بڑی عقیدت تھی۔ وہ ان سے "فصوص الحکم" پڑھنے لگے۔ اثناء درس میں کمال الدین نے "فصوص الحکم" کی بعض قابلِ اعتراض باتوں پر گرفت کی، اور کہا کہ یہ قرآن وحدیث کے صریح ارشادات کے خلاف ہیں۔ اس پر تلمسانی کو سخت غصہ آگیا اور کہا : "بار بار قرآن وحدیث کا کیا حوالہ دیتے ہو؟ انہیں اٹھا کر دروازے سے باہر پھینکو اور یہاں صاف دل ہو کر آؤ تاکہ تمہیں خالص توحید ملے"۔ تلمسانی کی ان باتوں سے کمال الدین کے دل کو سخت ٹھیس لگی، وہ فوراً اس کی مجلس سے چلے آئے۔ تلمسانی کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ بات عام لوگوں میں نہ پھیل جائے اور ان کے خلاف کوئی زبردست ہنگامہ نہ اٹھ کھڑا ہو تو روتے ہوئے کمال الدین کے پاس آئے اور انہیں راضی کیا۔

یہی کمال الدین کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ تلمسانی نے کہا : قرآن میں توحید ہے کہاں؟ وہ تو پورے کا پورا شرک سے بھرا ہوا ہے۔ جو شخص اس کی اتباع کرے گا وہ کبھی توحید کے بلند مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔

ایک مرتبہ شیخ کمال الدین احمد نے یہ اعتراض کیا کہ اگر عالم کی سب چیزیں ایک ہیں، جیسا کہ تمہارا عقیدہ ہے، تو پھر تمہارے نزدیک ایک جورو، بیٹی اور ایک اجنبی عورت میں کیا فرق ہے؟ تلمسانی نے جواب دیا : "ہمارے ہاں تو کوئی فرق نہیں، چونکہ ان محجوبوں (یعنی علمائے شریعت) نے ان کو حرام قرار دیا ہے تو ہم بھی کہہ دیتے ہیں کہ یہ تم پر حرام ہیں، ورنہ ہم پر کوئی چیز حرام نہیں"۔

(امام ابن تیمیہؒ از کوکن عمری ص ۳۲۱)

آپ نے دیکھا کہ اس نظریہ وحدت الوجود کی زد کہاں کہاں تک جا پڑتی ہے۔ ایسی باتوں کو بھلا امام موصوف کیونکر برداشت کر سکتے تھے؟ آپ ابھی ۲۳ ربیع الاول ۷۰۷ھ کو دو سال کی قید کاٹ

کر رہا ہوئے تھے کہ اب ایسے دوستوں سے پالا پڑ گیا۔ آپ نے ۸ شوال ۷۰۷ھ کو جمعہ کی نماز کے بعد حسبِ دستور ایک تقریر کی، جو عصر تک جاری رہی۔ اس تقریر میں جب وحدۃ الوجود اور دوسرے مسائل کا ذکر آیا تو آپ نے پورے زورِ بیان اور قوتِ استدلال کے ساتھ صوفیوں کے غلط عقائد و نظریات کی سخت تردید کی۔ ابنِ عربی، ابن الفارض، صدر الدین قونوی، ابنِ سبعین اور تلمسانی پر بے لاگ تنقید کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صوفی لوگ بگڑ بیٹھے اور مسجد میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا پھر سلطان سے جا کر شکایت کی کہ ابنِ تیمیہؒ ابنِ عربی جیسے صوفیہ کو بُرا بھلا کہہ رہے ہیں اور ان کی قدر و منزلت گھٹا رہے ہیں۔ سلطان نے قاضی القضاۃ بدر الدین جماعہ شافعی کو حکم دیا کہ وہ اس معاملہ کی تحقیق کریں۔ چنانچہ ۱۰ شوال ۷۰۷ھ کو دار العدل میں ایک مجلس قائم ہوئی جس میں بہت سے علماء کو مدعو کیا گیا۔ ابنِ عطاء اللہ الاسکندرانی نے امام ابنِ تیمیہؒ کے خلاف الزامات لگائے اور عدالت سے انصاف کا مطالبہ کیا۔ امام موصوف نے ان الزامات کی ایک ایک کر کے پُرزور تردید کی۔ ہر ایک مسئلہ کے متعلق قرآن و حدیث کے اتنے واضح اور صاف دلائل پیش کئے کہ خود مدعی سے ان کا کوئی جواب نہیں بن سکا۔

(امام ابنِ تیمیہؒ۔ ایضاً صہ ۲۴۳، ۲۴۵)

۴۔ قبروں سے متعلق کرامات:

کشفِ قبور کے ذریعہ جن عجائب کا ظہور ہوتا ہے، ان کے متعلق امام موصوف فرماتے ہیں کہ:

> "قبر کو بُت بنانا شرک کی ابتداء ہے۔ اس لیے اس کے پاس بھی بعض لوگوں کو کبھی آوازیں سنائی دیتی ہیں، کچھ صورتیں دکھائی دیتی ہیں اور عجیب و غریب تصرف نظر آتا ہے، جسے وہ مردہ کی کرامت سمجھتے ہیں۔ مثلاً کبھی دکھائی دیتا ہے کہ قبر شق ہو گئی، مردہ باہر نکل آیا، باتیں کیں، معانقہ کیا۔ اس طرح کی چیزیں نبیوں اور ان کے علاوہ دوسروں کی قبروں پر بھی پیش آسکتی ہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ سب شیطان کی چالیں ہیں، جو آدمی کے بھیس میں ظاہر ہو کر مکر و فریب کا کرشمہ دکھاتا ہوا کہتا ہے کہ میں فلاں نبی یا فلاں شیخ ہوں۔ اس بارے میں متعدد واقعات مشہور ہیں۔ جاہل یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب صاحبِ قبر کی اور اس کی اپنی کرامات ہیں، لیکن مومن کامل جانتا ہے کہ وہ شیطان ہوتا ہے جو گمراہ کرنے کے لیے آتا ہے، ایسے

اوقات میں قرآنِ کریم کی تلاوت اور بالخصوص آیت الکرسی پڑھنے سے ایسی شیطانی شعبدہ بازیاں از خود بھسم ہو جاتی ہیں۔ اور اگر یہ چیزیں بھسم ہو جائیں تو یقین جاننے کہ یہ شیطانی استدراج تھا۔ کیونکہ آیت الکرسی پڑھنے کا نقصان صرف شیطان ہی کو پہنچتا ہے۔"

(کتاب الوسیلہ صد ۱۵ مترجم اردو)

۴۔ نداء لغیر اللہ:

اپنے شیخ کو مشکل کشائی یا حاجت روائی کے لیے پکارنے کے سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں کہ:

"بعض لوگوں نے اپنے شیخ کی دہائی دی اور ان کو اس کی صورت نظر آگئی اور بعض دفعہ اس نے کوئی کام بھی کر دیا۔ اس سے ان کا یہ عقیدہ ہوا کہ شیخ خود آ گئے، یا یہ کوئی فرشتہ تھا جو ان کی صورت میں ظاہر ہوا اور یہ ان کی کرامت ہے۔ اس سے ان کا مشرکانہ عقیدہ مزید راسخ ہو جاتا ہے۔ ان کو معلوم نہیں کہ اس طرح کے معاملات تو شیاطین، بت پوجنے والوں کے ساتھ بھی کرتے رہتے ہیں۔ وہ ان بت پرستوں کے سامنے اکثر حاضر ہوتے ہیں اور بعض غیبی باتیں ان کو بتلاتے ہیں اور ان کے بعض مطلب بھی پورے کر دیئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ سب امور دورِ اخیر کی پیداوار ہیں، جن کا قرونِ اولیٰ میں کوئی وجود نہ تھا۔" (تفسیر سورۃ اخلاص صد ۱۱۸)

ایک دوسرے مقام پر وہ لکھتے ہیں کہ:

"یہ معاملہ صرف صالحین تک محدود نہیں، بلکہ ستارہ پرستوں کو بھی ایسے ہی احساسات اور فتوحات حاصل ہوتے ہیں۔ جو لوگ کواکب سے دعا کرتے ہیں، ان پر ایسی صورتیں نازل ہوتی ہیں، جنہیں وہ کواکب کی روحانیت کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ شیطان ہوتا ہے، جو اس کے شرک کی وجہ سے اس کو گمراہ کرنے کے لیے نازل ہوتا ہے۔ جیسے بعض اوقات شیاطین بتوں اور مورتیوں کے اندر گھس جاتے ہیں۔ وہ بعض اوقات لوگوں سے باتیں کرتے ہیں اور بعض اوقات مجاوروں اور پوجا پاٹ کرنے والوں کو دکھائی دیتے ہیں، اور ایسے ہی دوسروں کو بھی دکھائی دیتے ہیں۔" (کتاب النبوات صد ۲۷۴ بحوالہ تاریخ دعوت و عزیمت جلد ۲ صد ۳۴)

۵۔ کراماتِ شیطانی کی حقیقت :

شیطانی استدراجات پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں :

" ان کفریات پر ایمان رکھنے والے کبھی ہوا میں اُڑتے ہیں۔ شیطان یا رجال الغیب انہیں اٹھا لیتے اور مکہ وغیرہ دُور دراز ممالک تک اُڑا لے جاتے ہیں۔ لوگ اسے کتنی ہی بڑی کرامت سمجھیں مگر حقیقتاً ایسا شخص زندیق اور کافر ہی ہوتا ہے۔ نماز اور دوسرے فرائض سے انحراف وانکار کرتا ہے۔ اللہ اور رسولؐ کی حرام ٹھہرائی ہوئی باتوں کو حلال قرار دیتا ہے اور ہر قسم کے مکروہات و منکرات میں مشغول رہتا ہے۔ شیطان ایسے لوگوں کے ساتھ محض ان کے کفر و فسق کی وجہ سے میل ملاپ رکھتے ہیں، جو ان میں مخفی طور پر پایا جاتا ہے۔ لیکن جونہی وہ سچی توبہ کر کے اللہ اور اس کے نبیؐ پر ایمان لاتے اور کتاب و سنت سے تمسک کرتے ہیں تو شیطان فوراً الگ ہو جاتے ہیں، اور اس قسم کے تمام شیطانی مکاشفات، حالات و تاثرات کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ میں ایسے بہت سے لوگوں سے آشنا ہوں جو شام و مصر، حجاز اور یمن میں موجود ہیں۔ جزیرہ، عراق، خراسان اور روم میں ان کی تعداد اور بھی زیادہ ہے۔ پھر مشرکین اور اہلِ کتاب کے ملکوں میں بھی وہ بکثرت موجود ہیں جو اس قسم کے شیطانی کرشموں کا شکار ہو رہے ہیں "

(الوسیلہ۔ اردو۔ صد ۲۵۹)

۶۔ حضرت خضر کی رہنمائی :

طبقہ صوفیہ میں اس بزرگ کو بڑا خوش قسمت سمجھا جاتا ہے جسے حضرت خضر سے کسی نہ کسی طرح سے فیضان ہو جائے۔ طریقت کے سب سلسلے حضرت خضر کو پُر اسرار اور غیر فانی ہستی سمجھتے، نیز ہادئ طریقہ کی حیثیت سے ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ اب انہی حضرت خضر کے سلسلہ میں امام ابن تیمیہؒ کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔ آپ لکھتے ہیں :

" نیز ان (صحابہ کرامؓ) میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خضر سے راہ و رسم رکھتا ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ والے خضر تو فوت ہو چکے۔ اور وہ خضر جو عام لوگوں

کے پاس پوشیدہ طور پر تشریف لایا کرتے ہیں، دراصل شریر جن ہے جو آدمی کا روپ دھار لیتا ہے۔ یا وہ خود دھوکہ باز انسان ہی ہوتا ہے جو جاہلوں کو بے وقوف بناتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ فرشتہ تو ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ فرشتے کذب بیانی نہیں کرتے۔ دروغ گوئی صرف جنّ وانس میں ہی ہے۔ مجھے خود ایسے لوگوں کا علم ہے جن کے پاس خضر آیا، جیسا کہ انہیں یقین تھا، لیکن حقیقتاً وہ جن تھا۔ مگر صحابہ رضؓ کرام ایسے ضعیف العقیدہ نہ تھے کہ اس طرح کی جعل سازیوں میں آجاتے۔ اسی طرح ان میں کوئی ایسا نہ تھا جسے جن مکہ اور عرفات تک اڑا لے گئے ہوں اور بغیر تھکاوٹ حج ہو جائے۔ جیسا کہ بہت سے جاہل عابدوں پر ان کی یہ کرم نوازی ہوتی ہے۔ اور نہ ہی ان صحابہؓ میں ایسے حضرات موجود تھے، جن کے پاس بعض لوگ دوسروں کا مال اور خوراک چرا لاتے ہوں اور اسے کرامت سمجھا جاتا ہو" (الوسیلہ اردو صد ۱۳۹ - ۱۴۰)

اب ہم آپ کو یہ بتاتے ہیں کہ کن کن خوش قسمت صوفیہ کو حضرت خضر کی ملاقات نصیب ہوئی، یا انہوں نے ان سے فیضان حاصل کیا تھا۔

۱۔ محمد علی ترمذی صاحب کو حضرت خضر قبرستان میں ملے تھے۔ پھر تین سال تک روزانہ قبرستان میں آکر انہیں علم پڑھاتے رہے تھے۔ (مقربانِ حق صد ۱۶۸)

۲۔ ابو بکر وراق صاحب کی بڑی مدت سے آرزو تھی کہ ان کی حضرت خضر سے ملاقات ہو، چنانچہ ایک دن قبرستان میں ہی ملاقات ہو گئی۔ (مقربانِ حق صد ۲۰۷)

۳۔ سلسلہ چشت میں خواجہ ابو حذیفہ المرعشی (م ۲۰۲ھ) پہلے بزرگ ہیں، جن کی رہنمائی سے آپکی ابراہیم بن ادہم تک رسائی ہوئی۔ (تاریخ چشت۔ مولانا زکریا صد ۱۴۵)

۴۔ سلسلہ چشت ہی کے دوسرے خوش قسمت بزرگ دینوری (م ۲۹۷ھ) ہیں، جنہوں نے حضرت خضر کے اشارہ سے ہی بیعت کی تھی۔ (ایضاً صد ۱۴۹)

۵۔ پیرانِ پیر کو حضرت خضر جنگل میں اس وقت ملے، جب آپ کو مسلسل روزہ رکھے چالیس دن گزر چکے تھے اور بھوک سے بیتاب ہو رہے تھے۔ حضرت خضر کے کہنے پر خدا سے کیا ہوا عہد پس پشت ڈال کر روزہ چھوڑ دیا تھا۔

(خزینۃ الاصفیا، صد ۱۵۰، مصنفہ غلام سرور قادری)

۶۔ حضرت خضر ہوا میں اڑتے جا رہے تھے کہ پیرانِ پیر نے اپنا کلام سنانے کے لیے انہیں

ٹھہرالیا۔ پھر تو وہ پیرانِ پیر کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ انہی کے ہو رہے۔ اب حضرت خضر کی ڈیوٹی یہ تھی کہ جب کوئی ولی یا ابدال فوت ہو جاتا، اس کی خبر پیرانِ پیر کو دیتے تھے، خواہ کسی چور یا کافر کو پیرانِ پیر ابدال بنانے کا ارادہ کرتے تو حضرت خضر اس متعلقہ شخص کو اس کے علاقہ سے اُٹھا کر پیش کر دیا کرتے تھے۔

(سیرت غوث الثقلین۔ ضیاء اللہ قادری صـ۹۷، ۲۰۸)

۷۔ حضرت خضر قطب الدین بختیار کاکی کو خواجہ ابو حفص اویسی کے پاس لے گئے۔ استاد نے دستِ شفقت پھیر کر شاگرد سے فرمایا "بڑے صاحب نصیب ہو کہ حضرت خضر تمہیں میرے حوالہ فرما گئے ہیں۔" (تاریخِ مشائخ چشت۔ مولانا زکریا صـ۱۷۱)

۷۔ دیدارِ الٰہی:

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ سے متعلق امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

"کچھ جاہل فقیر اور علماء ایسے بھی ہوتے ہیں جو شیطانی شعبدے دیکھ کر یہ یقین کر لیتے ہیں کہ ہم نے حالتِ بیداری میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اور دلیل میں اپنا مشاہدہ پیش کرتے ہیں۔ ہم انہیں کاذب نہیں کہتے، ان کا مشاہدہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ مگر ان کی غلطی یہ ہوتی ہے کہ وہ شیطان کو خدا سمجھ لیتے ہیں۔ اسی طرح بے علم عابد بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، یا حضرت خضر کو، یا کسی برگزیدہ ہستی کو اپنی آنکھوں سے حالتِ بیداری میں دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ شیطان ہی ہوتا ہے، جو مختلف شکلوں میں آکر فریب دیتا ہے۔" (الوسیلہ۔ اردو صـ۵۵)

"اسی طرح بعض دفعہ ایک ہی بزرگ بیک وقت کئی گلیوں پر نظر آتا ہے، خواہ یہ بزرگ زندہ ہو یا مردہ۔ نادان لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ واقعی یہ بزرگ اپنے جسم کے ساتھ ہر جگہ موجود ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ شیاطین ہوتے ہیں، جو گمراہ کرنے کے لیے آتے ہیں۔" (ایضاً صـ۶۰)

۸۔ دور دراز مقام سے پیر کا پہنچنا:

امام صاحب شیطانی استدراجات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مجھے اس قسم کے بہت سے واقعات معلوم ہیں۔ چنانچہ میں نے خود ان لوگوں کو دیکھا ہے، جنہوں نے میری اور دوسرے بزرگوں کی، ہماری عدم موجودگی میں دہائی دی تھی۔ ان کا بیان ہے کہ انہوں نے مجھے اور ان بزرگوں کو ہوا میں اُڑ کر آتے اور ان کی مشکل دُور کرتے دیکھا۔ لیکن میں نے انہیں بتلایا کہ یہ سب شیطانی فریب کاریاں ہیں۔ شیطان ہی میری یا دوسرے بزرگوں کی شکل میں آیا تھا، تاکہ غیر موجود یا فوت شدہ بزرگوں کے پکارنے میں ان کی حوصلہ افزائی کرے اور گمراہی کو اور زیادہ پکا کر دے۔ اس قسم کے واقعات عیسائیوں کو بھی پیش آتے ہیں۔"

("الوسیلہ"۔ اردو ص۲۵۶)

رفاعی فقیروں سے حکومتی سطح پر مناظرہ (۷۰۵ھ)

یہ لوگ شیخ احمد رفاعی، جو پیرانِ پیر کے ہم عصر تھے، کے سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ شیخ احمد بذاتِ خود تو واقعی بزرگ تھے مگر سو ڈیڑھ سو سال بعد ان کے پیروکاروں میں بہت سی خلافِ شریعت باتیں داخل ہو گئی تھیں۔ ان فقیروں نے سیاہ لباس پہننا اور گلے میں لوہے کے کڑے یا طوق پہننا اپنا شعار بنا لیا تھا۔ ان کی معروف کرامات یہ تھیں کہ وہ آگ میں کود جاتے اور انگاروں سے کھیلتے مگر آگ انہیں جلاتی نہ تھی۔ اسی طرح یہ لوگ سانپوں سے بھی کھیلتے تھے۔ ان لوگوں کے برحق ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ آگ ان پر اثر نہیں کرتی تھی۔ یہ لوگ نماز، روزہ اور دوسرے تمام شرعی احکام سے یکسر غافل تھے، لیکن اس کے باوجود اپنی کرامات کی وجہ سے عوام میں بہت مقبول تھے۔ اطراف و اکناف میں ان کے بے شمار معتقدین پھیل گئے تھے، حتیٰ کہ اکثر امرائے سلطنت پر بھی ان لوگوں کا خاصا اثر تھا۔

ان پیروں فقیروں کی یہ حالت دیکھ کر امام صاحب نے بہانگِ دہل یہ اعلان کر دیا کہ یہ لوگ محض شعبدہ باز اور رجال الغیب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا ولی ہونا تو دور کی بات ہے، یہ تو مسلمان بھی نہیں کہلا سکتے۔ امام موصوف کی ان باتوں سے یہ لوگ بہت سیخ پا ہوئے اور حاکمِ وقت امیر افرم سے جا کر شکایت کی۔ امیر افرم نے فیصلہ کے لیے فریقین کو اپنے ہاں طلب کر لیا۔ رفاعی فقیروں پر امام موصوف کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ یہ لوگ تکالیفِ شرعیہ یعنی ارکانِ اسلام تک بجا نہیں لاتے، تو یہ مسلمان کیونکر کہلا سکتے ہیں۔

باطنی احوال کا سہارا :

اس اعتراض کے جواب میں رفاعی شیخ نے کہا کہ ہمارے کچھ باطنی امور و احوال ہیں، جن کو اہلِ ظاہر نہیں سمجھ سکتے۔ اس بات سے ان کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ اس کے جواب میں امام صاحب نے کہا کہ :

" ظاہر و باطن، شریعت و طریقت، حقیقت و مجاز سب کچھ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف لوٹایا جائے گا۔ عام اس سے کہ وہ مشائخ ہوں یا فقیر، بادشاہ ہوں یا امراء، عالم ہوں یا قاضی۔ اس لیے کہ ساری مخلوق پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واجب ہے۔ یہ اہلِ باطن اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتے "

(امام ابن تیمیہؒ۔ کوکن عمری ص ۱۶۳)

وجد و حال :

اپنے دفاع کے سلسلہ میں امام صاحب نے صوفیہ کے وجد و حال پر کڑی تنقید کی۔ کیونکہ اسی وجد و حال کو یہ لوگ تکالیفِ شرعیہ سے رخصت کا بہانہ بنایا کرتے ہیں۔ رفاعی شیخ نے اس تنقید کا جواب دیا کہ :

" یہ اقوال و افعال ہم سے اضطراراً سرزد ہوتے ہیں۔ ہم پر حال اور وجد طاری ہو جاتا ہے، جس کا روکنا ہمارے بس سے باہر ہے۔ جس طرح چھینک کا روکنا ہمارے اختیار میں نہیں ہوتا، اسی طرح ان کیفیات کا روکنا بھی بس سے باہر ہوتا ہے۔ اور یہ بھی چھینک کی طرح خدا کی طرف سے ہوتے ہیں "

اس کے جواب میں امام موصوف نے کہا کہ چھینک تو واقعی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے، مگر یہ اقوال و افعالِ خبیثہ شیطان کی طرف سے ہیں۔ اللہ اور اس کا رسولؐ بھی ان کاموں سے منع فرماتا ہے۔ اور وہ جن باتوں سے ہمیں منع کر دیں، وہ کبھی محبوب نہیں ہو سکتیں۔ امام موصوف نے اس کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ کفر اور فسق کا صدور بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی سے ہوتا ہے، لیکن اسے کوئی شخص بھی جائز نہیں سمجھتا۔

رفاعی شیخ نے پوچھا: " تو پھر اس اضطراری وجد و حال کو کیونکر رد کیا جا سکتا ہے؟" امام موصوف

نے فوراً جواب دیا۔ "شرعی کوڑوں سے!" اس پر امیر افرم ہنس پڑا۔ امام موصوف نے کہا "ہاں! پھر اگر شرعی کوڑوں سے بھی کام نہ چلے تو تلوارِ محمدیؐ سے" یہ کہہ کر امام موصوف نے امیر افرم کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور اسے ہوا میں لہراتے ہوئے کہا: "یہ شخص (امیر افرم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ غلام ہے، اور یہ رسول اللہؐ کی تلوار ہے۔ جو شخص بھی کتاب و سُنّت سے روگردانی کرے گا، اسکو موت کے گھاٹ اتارا جائے گا" (ایضاً صـ ۱۶۵)

رفاعی صوفیہ کی حیثیت:

رفاعی فقیروں کی بے دینی پر حجت قائم کرتے ہوئے امام موصوف نے مزید وضاحت فرمائی کہ:

"ایک اسلامی سلطنت میں صرف تین ہی فرقے ہو سکتے ہیں (۱) مسلمان۔ (۲) ذمّی جیسے یہود و نصاریٰ یا دوسرے کافر۔ یہ لوگ اپنے مذہب کی ادائیگی کی حد تک آزاد ہوتے ہیں۔ (۳) مشرک، مرتد اور زندیق وغیرہ۔ یہ لوگ چوں کہ مسلمانوں میں شامل ہوتے ہیں، لیکن اپنے مشرکانہ عقائد اور بدعات، پھر ان نظریات کی علی الاعلان تبلیغ کی وجہ سے واجب القتل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا کوئی علاج نہیں۔ پہلے ان سے توبہ کرائی جائے گی۔ اگر باز نہ آئیں تو انہیں قتل کر دیا جائے گا، جیسا کہ حضرت علیؓ نے کیا تھا۔ ان تین فرقوں کے علاوہ ایک اسلامی مملکت میں کسی چوتھے فرقہ کی گنجائش نہیں" (ایضاً صـ ۱۶۶)

آگ میں داخل ہونے کا مقابلہ:

رفاعی شیخ سے جب امام موصوف کے دلائل کا کچھ جواب بن نہ پڑا تو بالآخر اس نے وہی بات پیش کردی، جس سے وہ جاہل عوام کو قائل کیا کرتے تھے۔ اور وہ بات یہ تھی کہ فریقین آگ میں داخل ہو جائیں۔ جس کو آگ جلادے، وہ جھوٹا سمجھا جائے گا۔ اور جو آگ سے بچ کر نکل آئے گا، اسے حق پر تصور کیا جائے گا۔

اگرچہ شیخ رفاعی کا یہ فیصلہ کچھ علمی نوعیت کا نہ تھا تاہم امام موصوف نے یہ بات بھی منظور فرمائی مگر ساتھ ہی یہ شرط بھی لگادی کہ فریقین آگ میں داخل ہونے سے پہلے سرکہ اور گرم پانی سے بدن کو

خوب مَل کر نہالیں۔ امیر افرم نے اس کی وجہ دریافت کی تو امام موصوف نے کہا کہ یہ لوگ مینڈک کی چربی، نارنج کے اندرونی چھلکے اور طلق پتھر وغیرہ پیس کر اپنے بدن پر مل لیتے ہیں، جس کی وجہ سے آگ کا ان پر اثر نہیں ہوتا۔

امیر افرم نے امام صاحب سے پوچھا کہ "اگر یہ لوگ غسل کرنے کی شرط مان جائیں، تو آپ آگ میں کودنے کو تیار ہیں؟" اس بات کا امام صاحب نے جو جواب دیا وہ سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے، اور جو آپ کے اللہ تعالیٰ پر توکل، عزمِ راسخ اور ایمان کی پختگی کی ایک زندہ جاوید مثال ہے۔ آپ نے فرمایا:

"ہاں! میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا ہے اور میرے دل میں یہ بات ڈال دی گئی ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو میں بھی آگ میں کود جاؤں۔ اور اگر ایسا کروں گا تو یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشینوں سے اس قسم کے خوارق عادت کا ظہور کئی مرتبہ ہو چکا ہے اور ہمیشہ ہوتا ہی رہتا ہے۔ جب یہ لوگ اپنے رموز و اشارات اور خوارق عادت امور سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی شریعت کو باطل کرنا چاہتے ہیں تو ہم پر فرض ہے کہ اس کی حمایت میں اپنے جان و مال کی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ضرور ایسی نشانیاں عطا فرمائے گا، جن سے ہم ان کے خوارق عادت کا بخوبی مقابلہ کر سکتے ہیں۔"

جب فرقہ رفاعیہ کے پیروں فقیروں نے امام موصوف کی شرط اور اس کے بعد امیر افرم کے سوال پر امام صاحب کا جواب سنا تو ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور کہا اس معاملہ کو یہیں پر ختم کر دیا جائے۔ انھوں نے باقاعدہ صلح کی درخواست بھی پیش کی اور امام موصوف پر زیادتی کا اعتراف کر کے معافی بھی مانگ لی۔ نیز وعدہ کیا کہ آئندہ ہم بدعتوں کو چھوڑ کر شریعتِ محمدیؐ کی اتباع کریں گے۔ (امام ابن تیمیہؒ کوکن عمری صد ۱۵۵۔ ۱۶۰۔ تاریخِ دعوت و عزیمت، ابوالحسن علی ندوی ج ۲ صد ۵۷)